# عہدِ وفا اور ایفائے عہد

خرم مرادؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ

# پیش لفظ

دل کی زندگی ہو یا اُمت کی زندگی، قرآن مجید سے وابستہ ہے۔ صرف وہی صحیح راستہ بتاتا ہے، نور بخشتا ہے اور شفا عطا کرتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آج بھی ہمارے لیے دنیا میں ترقی و سربلندی کا کوئی نسخۂ کیمیا ہے تو قرآن ہے اور آخرت میں نجات کی کوئی سبیل ہے تو قرآن میں ہے۔ آج بھی مسلمان پر قرآن کا وہی حق ہے جو چودہ سو سال پہلے تھا۔ اسے سنیں اور سُنائیں، سمجھیں اور سمجھائیں، عمل کریں اور عمل کی طرف بُلائیں اور اس کو غالب کرنے کے لیے جہاد کریں۔ آج بھی قرآن اُن کو وہی کچھ عطا کرے گا، جو چودہ سو سال پہلے عطا کیا تھا۔ دِلوں کی نرمی اور گداز، آنکھوں میں نمی اور بصیرت، علم و حکمت کے گوہرِ تاب دار، زندگی بسر کرنے کا سیدھا، آسان اور روشن راستہ، زمین میں علو و خلافت اور آخرت میں مغفرت اور جنت۔

مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا کہ میرے پاس نہ وہ علم ہے نہ تقویٰ اور نہ عمل بالقرآن، کہ میں درسِ قرآن کا منصب سنبھالنے کی جسارت کروں اور مستزاد یہ کہ جو کچھ کبھی کہا ہے اُسے کتابی صورت میں شائع بھی کروں۔ لیکن میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ میرے اوپر فرض ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی نعمت جتنی بھی عطا کی ہے، میں اُسے سناؤں، بیان کروں اور اس کی طرف بُلاؤں۔ اس لیے کہ جس نے کتاب دی ہے، اس نے یہ عہد بھی لیا ہے کہ تم اُسے بیان بھی کرو گے، اور جو اس عہد کو وفا نہ کریں اور اس کتاب کو چھپا کر بیٹھ جائیں، انھیں اس نے اپنی، فرشتوں کی اور سارے انسانوں کی لعنت کی وعید سنائی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا ہے بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ کَانَ اٰیَۃً، اللہ کے عہد کی وفا اور اِسی ارشادِ نبوی کی تعمیل ہی میں، یہ جرأت کرتا رہا ہوں کہ اپنے علم و دانست کی حد

تک، قرآن کا پیغام سناؤں۔ اسی کوشش کا نتیجہ یہ درس ہے۔

ان دروس میں آپ صرف و نحو کی گتھیاں نہیں پائیں گے، نہ شانِ نزول کی روایات، نہ فقہ و کلام کے مسائل و مباحث، نہ منطقی استدلال۔ اِن کا مقصد صرف ابلاغِ پیغام اور تذکیر ہے، دلوں کی زندگی کا سامان اور دعوتِ عمل ہے۔ کم علمی اور کم مائیگی کے باوجود وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ پر یقین اس کی بنیاد ہے۔ دل کی صدا یہی ہے: فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ۔

زندگی عہد و امانت کا نام ہے۔ اس کا ہر کام عہد پر قائم ہے، عہد پر چلتا ہے۔ اخلاقی فضائل میں سب سے افضل عہد ہے۔ زندگی کی درستی و آراستگی اور اس کا حسن و جمال عہد و امانت کے دم سے ہے۔ ایمان بھی ایک عہد ہے۔ اس عہدِ ایمان و بندگی کا ایک پہلو وہ عہد ہے جو امتِ مسلمہ اور اس کے رب کے درمیان ہے، جو امانتِ وحی کا حق ادا کرنے کے لیے دعوت و جہاد کا عہد ہے۔ اُمت اپنے اس عہد کو وفا کرے تو اللہ اس سے اپنا عہد وفا کرے گا۔ امت عہد فراموشی اور نقضِ عہد پر کاربند ہو جائے، تو وہ اللہ کی طرف سے لعنت، ذلت، بے چارگی اور غضب کی مستحق ٹھہرتی ہے۔

سورۂ فتح کی ان چند آیات میں اسی عہدِ وفا کو وفا کرنے کا پیغام ہے۔ میں نے اس کتابچے میں ان آیات کا یہی پیغامِ وفا آپ تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس حقیر کوشش کو قبول فرمائے، میری کسی بات کو میرے خلاف حجت نہ بنائے۔ لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ کے زمرہ میں شامل ہونے سے مجھے بچائے۔ میرے لیے اصل حاصل قارئین کی داد و تحسین نہیں، بلکہ عنداللہ قبولیت ہے، جس کا ایک ذریعہ آپ کا عمل اور میرے لیے آپ کی دعا ہے۔ اس لیے میری درخواست ہے کہ اگر آپ اس تحریر کو اپنے لیے نافع پائیں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ میرا خاتمہ ایمان پر کرے اور مجھے اپنی مغفرت سے ڈھانپ لے۔

خرم مراد

لاہور

۷ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ

۱۸ فروری ۱۹۹۴ء

# عہد وفا اور ایفائے عہد

آیئے! ہم قرآن مجید کی تلاوت، اس کے معانی اور پیغام پر غور وفکر، اور اس کے پیغام سے روشنی حاصل کرنے کا آغاز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت کے ساتھ کریں کہ جب لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، اور اس کو باہم سمجھنے اور سمجھانے میں لگ جاتے ہیں، تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے، رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے، اور فرشتے ان پر آسمان تک سایہ فگن ہو جاتے ہیں (مسلم: ابوہریرہؓ)۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس بشارت کا مستحق بنائے اور ٹھہرائے۔

میں بہت سوچتا رہا کہ آج کے دن کے لیے قرآن مجید کے کس حصے کو، قرآن کا پیغام آپ تک پہنچانے کے لیے منتخب کروں؟ خیال آیا کہ یہ تلاش کروں کہ اس قرآن میں خاص طور پر ہمارا ذکر کہاں کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے فِيْهِ ذِكْرُكُمْ، (اس میں تمھارا ذکر ہے) گویا کہ اس میں ہمارے لیے یاددہانی اور تذکیر کا جو سامان ہے، وہ کہیں ہمارے حوالے سے بھی ہے۔ اس میں ہمارے بارے میں وہ بیان کیا گیا ہے جو ہمارے لیے جاننا ضروری ہے۔ اس لیے ہمارے اس قافلۂ حق کو دیکھنا چاہیے کہ قرآن مجید میں اس کا ذکر کہاں کیا گیا ہے، اور ہمیں اس ذکر سے رہنمائی حاصل کرنا چاہیے۔

ہمارا یہ قافلہ، قافلۂ ایمان وجہاد ہے۔ اس قافلے نے جس عزم کے ساتھ اپنے سفر کا آغاز کیا تھا وہ یہ تھا کہ ہم اپنی زندگیوں میں اور اللہ کی زمین پر، اللہ کی اور صرف اللہ کی حکمرانی قائم کرنے کے لیے جدوجہد کریں گے اور اس کام کے لیے اپنا سب کچھ لگا دیں گے۔ یعنی وہ عظیم کام جو اللہ تعالیٰ کے رسول اور نبی انجام دیتے رہے ہیں اس کی

ذمہ داری ہم نے اٹھائی تھی۔ ہم نے یہ اعلان بھی کیا تھا کہ ہمارا یہ عزم اور ہمارا یہ عہد اپنے نفس کی خاطر نہیں، کسی انسان سے نہیں، کسی جماعت سے نہیں، کسی عارضی مدت کے لیے نہیں، بلکہ خدائے وحدہٗ لاشریک سے ہے۔ رضائے الٰہی کے لیے ہے، اور اس وقت تک کے لیے ہے جب تک جسم میں جان ہے۔ ہم نے اللہ رب العٰلمین کو حاضر وناظر جان کر اور اس کو گواہ بنا کر یہ عہدِ وفا باندھا تھا، اور ایفائے عہد کی راہ پر قدم رکھا تھا۔ اپنے اس عہد اور ایفائے عہد کے حوالے سے، میری نگاہیں سورۂ فتح کی چند آیات پر ٹھہر گئیں، اور دل اس بات پر جم گیا کہ آج انھیں آیات کی تلاوت وترجمانی آپ کے سامنے پیش کروں۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۔ لِّتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۔ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۔ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا.

(الفتح ۴۸ : ۸ - ۱۰)

اے نبیؐ ہم نے تم کو گواہی دینے والا، بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے، تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کا ساتھ دو، اس کی توقیر کرو اور صبح وشام (اللہ کی) تسبیح میں لگے رہو۔

(اے نبیؐ) جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ دراصل اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے۔ اب جو شخص اس عہد کو توڑ دے اس کے عہد توڑنے کا وبال اُسی پر پڑے گا۔ اور جو اس عہد کو ایفا کرے جو اس نے اللہ سے کیا ہے، اللہ جلد اس کو بہت بڑا بدلہ دے گا۔

ان آیات میں ہمارے عہدِ وفا کا ذکر ہے۔ بتایا گیا ہے کہ اس عہد کی حقیقت

کیا ہے، یہ عہد کتنا عظیم عہد ہے، اور اس عہد کے تقاضے کتنے نازک اور گراں بار ہیں۔ یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ اس عہد کے باندھنے والوں پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، ایفائے عہد کی راہ کیا ہے، اس راہ کے نقوش اور منزلیں کیا ہیں، بے وفائی کا وبال کیا ہے اور وفا کا اجر کتنا عظیم ہے ــــ یہ بھی بتا دیا گیا ہے۔

خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، لیکن ظاہر ہے کہ مخاطب تو دراصل پوری اُمتِ مسلمہ ہے۔ اس کے اول بھی اور آخر بھی، وہ جو اس وقت سامنے تھے، اور وہ جو آج اس اُمت میں شامل ہیں۔ خاص طور پر مخاطب اُمت کا وہ گروہ ہے جس نے اس بات کا عہد کیا ہو کہ وہ فریضۂ رسالت کی انجام دہی، اللہ اور اس کے رسولؐ کی نصرت، اور دینِ حق کی سربلندی کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر رہا ہے اور اس مقصد کے لیے مرنے اور لڑنے کو تیار ہے۔ اپنے اِس اقرار کی رُو سے ہم ایک ایسا ہی گروہ ہیں۔ ہمارا اجتماعی وجود صرف عہدِ وفا کے شعور اور اس کے ساتھ وابستگی، اور ایفائے عہد کی آرزو اور عزم سے عبارت ہے، اسی مرکز پر قائم ہے اور اسی محور پر گھومتا ہے۔

بات ذرا آگے بڑھائیے! پوری امتِ مسلمہ کا وجود، ہر مسلمان کا وجود، پوری انسانیت اور ہر انسان کا وجود عہد اور ایفائے عہد پر مبنی ہے۔ عہدِ بندگی ایفا کرو، عہدِ ایمان ایفا کرو۔ یہی ہے خلاصہ تمام انبیاءؑ اور رسلؑ کی دعوت کا۔

لہذا، ان آیات میں جو کچھ بھی کہا گیا ہے، سمجھ لیجیے اللہ تعالیٰ ہم ہی سے کہہ رہا ہے۔

# عہدِ رسالت

فرمایا

اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا۔

(اے نبیؐ) ہم نے بھیجا ہے تم کو (بنا کر)

گواہی دینے والا، اور

بشارت دینے والا، اور
خبردار کر دینے والا۔

الفاظ صرف تین ہیں۔ شاہد، مبشّر اور نذیر۔ لیکن بڑے جامع الفاظ ہیں۔ اِن الفاظ میں رسالت کے بالکل بنیادی اور لازمی فرائض کو سمیٹ دیا گیا ہے۔ یہی وہ کام ہیں جن کو انجام دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ اور نبیؑ بھیجے۔ کام کی نوعیت واضح ہو گئی تو کام کی اہمیت بھی کھل کر سامنے آ گئی، پیغام بھی عیاں ہو گیا اور اس کی خصوصیات بھی روشن ہو گئیں۔ اب جو لوگ کارِ رسالت کی انجام دہی کے نازک مقام پر آ کر کھڑے ہوئے ہیں، ان کا کام ہے کہ دیکھیں اس آیت میں ان کے بارے میں کیا کہا جا رہا ہے، اُن کو اس کا جواب کیا اور کس طرح دینا ہے۔

## شہادت

شاھد کے معنی ہیں گواہی دینے والا۔ یہ لفظ صبح و شام ہمارا وظیفۂ کلام ہے۔ اس کے معانی و مفہوم سے ہم نا آشنا نہیں ہیں۔ گواہی دینے والا حقیقت کا علم رکھتا ہے، ایسا علم جو یقینی ہو اور ہر قسم کے ظن و تخمین اور ریب و تردّد سے پاک ہو۔ گواہ کے لیے سب سے پہلے حق کا علم اور اس پر یقین ضروری ہے۔ یہی گواہی کی بنیاد ہے اور اس کی صحت اور سچائی کی ضامن بھی۔

حق کا سب سے بڑا تقاضا یہ ہے کہ اس کو ظاہر و آشکار کیا جائے۔ حق کی گواہی کوئی باہر سے عائد کی جانے والی اور سر تھوپی جانے والی ذمہ داری نہیں۔ حق کے علم کا بیج اندر ہو اور وہ پھوٹ کر باہر نہ نکلے، یہ ممکن نہیں ہے۔ ایک ننھے منّے بیج کی فطرت میں بھی یہ قوت و استعداد پوشیدہ ہوتی ہے کہ وہ زمین کا سینہ چیر کر باہر نکلے، ایک تناور درخت بنے، اس کی شاخیں آسمان تک پھیلی ہوئی ہوں اور وہ ہر لمحہ ثمر بار ہو۔ حق کی فطرت بھی یہی ہے اور تقاضا بھی یہی۔ گواہ کے لیے یقینی علم کے بعد، حق کی اِسی فطرت اور اسی تقاضے کی تکمیل کے لیے گواہی کے کٹہرے میں کھڑا ہو جانا ضروری ہے تاکہ حق بھی ایک تناور درخت بن کر پھلے اور پھولے۔

## گواہی کس چیز کی؟

یہ بات یہاں کہی نہیں گئی لیکن نہ کہنے ہی میں سب کچھ کہہ دیا گیا۔ گویا جو مجہول ہے، وہ درحقیقت اتنا معروف ہے کہ اس کا بیان کرنا کلام کا عیب ہوتا، وہ اتنا ظاہر و معلوم ہے کہ اس کا نہ جاننا ممکن نہیں ہے۔ نبی اس عظیم واقعے کا گواہ ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے اپنی ہدایت اس کے پاس بھیجی۔ وہ اس حق، ہدایت اور دعوت پر گواہ ہوتا ہے جو اس کے سپرد اس کے رب کی طرف سے کی گئی ہے، جو انسان کو اس دنیا میں فلاح تک پہنچانے کی اور آنے والی دنیا میں خوف و حزن سے سلامتی اور فوزِ مبین کی ضمانت دیتی ہے۔

## گواہی کس کے سامنے؟

یہاں اس کا تذکرہ نہیں لیکن گواہی کسی کے سامنے ہی ہوتی ہے اور اس کے سامنے ہوتی ہے جو اس گواہی پر فیصلہ کرنے کا مجاز و مختار ہو۔ یہ اختیار نوعِ انسانی کے ہر فرد کو حاصل ہے کہ وہ اپنے لیے اس راہ کا انتخاب کرے جو فوز و فلاح تک پہنچاتی ہو۔ اس گواہی کا محتاج ہر انسان ہے۔ جو علم زندگی کے معنی و مفہوم کی خبر دیتا ہو، کائنات اور انسان کی حقیقت سے آگاہ کرتا ہو، جو آگے اور پیچھے کا پتا دیتا ہو، اس علم سے کون مستغنی ہو سکتا ہے۔ اس کی ضرورت ہر ایک کو ہے، اور اس کے بارے میں فیصلہ کرنا ہر ایک کی ذمہ داری ہے۔

اس لیے گواہی ہے تو سارے انسانوں کے لیے ہے، علی الناس ہے۔ اس میں اپنے اور پرائے کی، کالے اور گورے کی اور عربی و عجمی کی کوئی تفریق نہیں ہو سکتی۔

یہی شہادتِ حق بنیاد ہے امتحان، ہدایت، اور جزا و سزا کے اس نظام کی جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے مقرر کیا ہے۔ جزا و سزا کا جواز اُسی وقت پیدا ہوتا ہے جب امتحان منصفانہ ہو۔ امتحان اسی وقت منصفانہ ہو سکتا ہے جب فیصلہ کرنے والے کے سامنے صحیح گواہی

موجود ہو۔

غور کیجیے تو شہادت جامع ہے بہت سارے دیگر کاموں کی۔ یا یوں کہیے کہ اور کئی کام ایسے ہیں کہ وہ ہوں تو شہادت مکمل ہوگی۔ مثلاً اللہ کا کلمہ بلند ہو، دین قائم ہو، دین غالب ہو، اسلامی نظام بروئے عمل آئے اور اسلامی ریاست وجود پزیر ہو وغیرہ۔ لیکن جتنی گواہی دینا ممکن ہو اتنی گواہی دے دینا تو ناگزیر ہے۔

## تبشیر و انذار

شہادت کے بعد تبشیر اور انذار کے کاموں کا ذکر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مبشّر (بشارت دینے والا) اور نذیر (خبردار کرنے والا) کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ یہ دونوں پہلو شہادت کی طرح اہم ہیں۔ شہادت کی تشریح و توضیح بھی ہیں اور اس کو ادا کرنے کے لیے ناگزیر بھی۔

یہ کیوں اہم ہیں؟ شہادتِ حق کے کام میں اِن کا کیا مقام ہے؟

جزا و سزا کا وعدہ اور خبر، حق ہی کا ایک حصہ ہے۔ جس طرح حق کی فطرت کا تقاضا ہے کہ اس کو آشکار کیا جائے، اسی طرح حق کا دامن پکڑنے والوں کو ان کے اجر و انعام کی بشارت اور حق سے منہ موڑنے والوں کو سزا و عذاب کی خبر شہادتِ حق کا ایک حصہ بھی ہے، اس بشارت و خبر کا اپنا حق بھی ہے اور مستحقین بشارت و انذار کا حق بھی۔

لیکن بات اس سے زیادہ ہے۔ گواہی فیصلے کا تقاضا کرتی ہے۔ حق کی گواہی برائے گواہی نہیں، یہ تو دعوت عمل ہے۔ وہ دعوت جو دلوں اور نگاہوں کو ایک متعین منزل پر جما دے اور اس منزل تک پہنچ جانے کی آرزو اور امنگ پیدا کرے، یہ یقین پیدا کرے کہ اس گواہی کو سچ مان کر اس کے حق میں فیصلہ دے دیا تو اخروی اور ابدی نجات اور انعامات سے سرفراز ہوں گے۔ نری گواہی دلوں، جسموں اور معاشروں میں ہل چل نہیں مچا سکتی، جب تک اس کے ساتھ بشارت موجود نہ ہو۔ بشارت اس بات کی کہ حق کے لیے عمل صالح اور قولِ سدید، حق کی محبت، حق کے ساتھ دل کی لگن، اور حق پر استقامت۔

یہ وہ چیزیں ہیں جن کے بدلے میں تابناک مستقبل اور بے حد و حساب اجر اور انعامات محفوظ کر دیے گئے ہیں۔ مستقبل کی تمنائیں اور آرزوئیں، جو یقین سے معمور ہوں، دلوں میں عزم کی شمعیں روشن کرتی ہیں اور اس عزم کو سدا بہار رکھتی ہیں۔

بشارت کی طرح قلوب کی اُکساہٹ کے لیے انذار بھی ضروری ہے۔ انسان امید اور خوف کے سہارے بڑی بڑی منزلیں مار لیتا ہے۔ اپنے برے اعمال کے نتائج اور عواقب سے آگاہی اور ان پر یقین ہی سے ایسی قوت پیدا ہوتی ہے کہ، جس طرح ہاتھ خود بخود آگ سے کھنچ کر واپس لوٹ آتا ہے اسی طرح، زبان اس بات کو کہنے سے رُک جاتی ہے جو اس کے لیے ایک دہکتا ہوا انگارا ہو، قدم اس راہ پر چلنے سے باز آجاتے ہیں جو شعلوں اور دھوئیں کی راہ ہو، ہاتھ وہ لقمہ منہ میں ڈالنے سے اجتناب کرتے ہیں جو پیٹ کے لیے آگ ہو، قومیں اُن راہوں پر چلنے سے بچتی ہیں جن کا انجام ہلاکت ہو۔

انذار میں ایک مفہوم اور بھی شامل ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان پر اس کی نجی زندگی اور معاشرہ کی خرابیاں واضح کر دی جائیں، اور اُن کے عواقب سے وہ آگاہ ہو جائے۔ ایسے عواقب جو دنیا سے لے کر آخرت تک محیط ہیں۔ فرد اور معاشرے پر تنقید کے ذریعے اس میں یہ احساس اور شعور پیدا ہو کہ اس کے اپنے نفس، اپنی جماعت، اور اپنے معاشرے میں کون کون سی خامیاں اور خرابیاں ہیں جو اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، خطرناک اور تباہ کن نتائج پیدا کر سکتی ہیں۔

گویا انذار سے جہاں ایک طرف نفس، معاشرہ اور اجتماعیت پر تنقید ہوتی ہے اور ان کی عکاسی ہوتی ہے، وہاں دوسری جانب دل کی کشتی خوفِ خدا اور فکرِ آخرت پر لنگر ڈال دیتی ہے۔ اس طرح وہ اپنے نفس کا جائزہ لے کر، زندگی کی موجوں میں اپنی منزل کی طرف آگے بڑھتی جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اِنذار تبشیر کے ساتھ، عملِ صالح کی دوسری بنیاد بن جاتا ہے۔ لہٰذا کارِ رسالت کو انجام دینے کے عہد کو ایفا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہمارے نفس میں امید اور خوف رچ بس جائیں۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ ہماری دعوت اور ہمارے پیغام میں انذار اور تبشیر کا وہی مقام اور حصہ ہو جو انبیاء علیہم السّلام کی دعوت میں

تھا۔ دعوت میں انذار و تبشیر کے حصے اور مقام کا کامل ترین نمونہ خود قرآن مجید ہے۔
کیا ہماری دعوت اس لحاظ سے مکمل ہے؟ یہ بڑا اہم سوال ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم سب اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کریں۔ کیا ہماری دعوت میں، قول اور عمل میں، جنت اور دوزخ کا مقام اور تناسب وہی ہے جو قرآن مجید میں اور نبیؐ اور صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں تھا؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ صرف مجرد اصولی دعوت ہی ہماری دعوت بن کر رہ گئی ہو اور وہ ان دونوں پہلوؤں سے خالی ہو۔

# عہد ایمان و نصرت

آگے فرمایا:

لِّتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ۔

تاکہ تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولؐ پر، اور اس کی تعظیم و توقیر کرو۔

یہ ہے شہادت اور انذار و تبشیر کا مقصد۔ دل اعتماد اور یقین کے ساتھ بھر جائیں۔ زندگیاں پیدا کرنے والے کے حوالے ہو جائیں، جسم و جان سے خدا، اس کے رسولؐ اور اس کے دین کی مدد اور غلبہ کے لیے کھڑے ہو جائیں۔ ایمان اور خدا اور اس کے رسولؐ کی نصرت کا بیان صرف ایک عہد کا بیان نہیں ہے، صرف مقصد اور نتیجہ کے طور پر نہیں ہے۔ غور کیجیے تو اس میں دعوت اور پکار ہے کہ ایمان لاؤ اور نصرت کے لیے کمربستہ ہو جاؤ۔ یہی عہدِ وفا کو نباہ لے جانے کی راہ ہے۔

## یہاں اس دعوت کا مخاطب کون ہے؟

کسی نے کہا یہ خطاب صرف مسلمانوں کے لیے ہے۔ کسی نے اس میں نبی کریمؐ کو شامل سمجھا ہے۔ یہ اختلاف بتاتا ہے کہ اکثر تفسیری نکات کے اختلافات راہِ عمل کے تقاضے نباہنے کے لیے کچھ ضروری نہیں ہوتے۔ ہمارے نزدیک اِن دونوں میں کوئی بڑا

فرق نہیں ہے۔ اللہ کا نبیؐ جس ایمان کی دعوت دیتا ہے، خود بھی اس ایمان سے معمور ہوتا ہے۔ وہ جس راہ پر چلنے کے لیے بلاتا ہے، اس راہ پر خود بھی گامزن ہوتا ہے۔ وہ اول المومنین اور اول المسلمین ہوتا ہے۔ سب سے پہلے، سب سے آگے، سب سے بہتر اور سب کے لیے نمونہ۔

اہم بات یہ ہے کہ ایمان کی دعوت کے معنی کیا ہیں؟ ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ ایمان کے معنی تو یقین اور اعتماد کے ہیں۔ لیکن یہاں ایمان کے فوراً بعد ساتھ دینے اور توقیر کرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس ذکر نے ایمان کی حقیقت کو کھول دیا ہے۔ گویا کہ شجرِ ایمان کے سب سے اہم برگ و بار یہی ہیں، یہی ایمان کی حقیقت کو آشکار کرتے ہیں۔ انہی دو الفاظ میں ایمان کے لازمی اور فوری تقاضوں اور مطالبات کا ذکر فرما دیا گیا ہے۔

لیکن مدد اور توقیر کس کی؟ اللہ تعالیٰ کی؟ رسولؐ کی؟ یا دونوں کی؟ اس آیت میں "اس" کی ضمیر کا مرجع کیا ہے اس پر علمائے کرام نے بہت سی باتیں کہی ہیں۔ اس مقام کی لغوی اور علمی نزاکتیں یقیناً بہت ہو سکتی ہیں، مگر ایسے مقامات پر ایک سالکِ راہِ قرآن کا گوہرِ مطلوب کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ وہ فنی اور علمی نزاکتوں میں پڑنے کے بجائے یہ دیکھتا ہے کہ دعوت و پیغام کیا ہے؟ عمل کون سا مطلوب ہے؟ اللہ تعالیٰ ہم سے کیا چاہتا ہے؟ ضمیر کا مرجع جو کچھ بھی ہو، یہ بہرحال واضح ہے کہ یہاں اللہ کی ذات مراد نہیں، نہ رسولؐ کی، بلکہ ان کے دین کی، اور اس پر مزید، ایمان و عمل کا عہد وفا باندھنے والوں کی بھی، مدد اور توقیر مراد ہے۔

بات واضح ہو جائے گی اگر ہم یہ دیکھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں جہاں نصرت کی دعوت دی ہے، مختلف انداز میں دی ہے۔ بعض مقامات پر دعوت کو خاص اپنے نام کے ساتھ مخصوص فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنصَارَ اللَّهِ (الصف ۶۱: ۱۴)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کے مددگار ہو جاؤ

پھر کہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کے نام کو اپنے نام کے ساتھ جوڑ کر ذکر فرمایا:

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ (الحدید ۵۷: ۲۵)

تاکہ اللہ تعالیٰ آزمالے کہ کون اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔

اور کہیں اعانت و مدد کی اس دعوت کو صرف رسولوں کے ساتھ خاص فرمایا:

وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (المائدہ ۵: ۱۲)

اگر تم میرے رسولوں پر ایمان لائے اور ان کی مدد کی، اور اپنے خدا کو اچھا قرض دیتے رہے۔

کچھ لوگ سوچتے ہیں، ایک بندے کو اپنے رب کا مددگار کس طرح ٹھہرایا جا سکتا ہے، یہ تو بدعقیدگی ہے۔ مگر جو محبت اور وفا کی راہوں کا آشنا ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ مسئلہ عقیدہ کا نہیں، اس میں شرک کا سوال نہیں اٹھتا۔ دعوت اس بات کی ہے کہ آدمی پوری یکسوئی، عزم، اور گرم جوشی سے اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت کے لیے کھڑا ہو جائے اور اپنے کو پورے کا پورا اس راہ میں لگا دے۔ چنانچہ اس بحث سے ہٹ کر کہ اس مقام پر اللہ ہی کی مدد اور توقیر مراد ہے یا اس کے رسولؐ کی، قرآن مجید کا پیغام بالکل صاف اور واضح سنا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کرنا، یا اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرنا، یا اس کے رسولؐ کی مدد کرنا ایک ہی چیز ہیں، ایک ہی دعوت کی مختلف تعبیریں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے مقامات کی باہمی نسبت اس سے بڑھ کر اور کس چیز سے واضح ہو سکتی ہے کہ یہ کہہ دیا گیا کہ جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ (النساء ۴: ۸۰) اور یہ کہ ہر نقش جو اللہ کے رسولؐ نے چھوڑا، اس پر چلنا ہی دراصل اللہ تعالیٰ کی محبت ہے، اور اس کی محبت کے حصول کی ضمانت ہے۔ (آل عمران ۳: ۳۱)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کون سے نقوشِ پا سب سے زیادہ گہرے اور سب سے زیادہ اہم ہیں؟ سب سے اہم ہر وہ قدم ہے جو آپؐ نے فریضۂ رسالت کی تکمیل کی غرض سے اٹھایا۔ ایسا ہر نقش نہ صرف سب سے اہم، بلکہ مدد اور توقیر کی عملی تفسیر اور تفصیل بھی ہے۔ خواہ وہ نقش طائف کی وادیوں میں چھوڑا ہو، مکہ کی گلیوں میں یا بدر و حنین کے میدانوں میں۔ ان نقوشِ پا پر چلنا ہی اللہ اور اس کے رسولؐ کی مدد اور توقیر کرنا ہے۔

اب بڑی اہم بات یہ ہے کہ یہاں مدد کی دعوت دے کر یہ بات کھول دی گئی ہے کہ اس جگہ جس ایمان کی دعوت دی جارہی ہے وہ روایتی اعلانِ ایمان نہیں، وہ صرف اقرار باللسان نہیں، اس کی تکمیل زبان سے چند الفاظ ادا کر دینے سے نہیں ہو جاتی، بلکہ یہاں تو وہ ایمان مراد ہے جو ـــــ:

عہد ہے اپنا سب کچھ اللہ تعالیٰ کو بیچ دینے کا،
عہد ہے مکمل طور پر اپنے رب کا بن جانے کا،
عہد ہے سمع وطاعت کا،
عہد ہے عملِ صالح کا،
عہد ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کی نصرت کا،
عہد ہے اللہ کی راہ میں جان اور مال سے جہاد کرنے کا،
عہد ہے ایفائے عہد کا۔

ہدایتِ الٰہی کی امانت کے حوالے سے یہی وہ عہد ہے جس کو ایفا کرنے کا مطالبہ اُس نے بنی اسرائیل سے کیا، یہی وہ عہد ہے جس کو یاد رکھنے کی تاکید اس نے ہمیں فرمائی:

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ . (البقرہ ۲: ۴۰)

اے بنی اسرائیل یاد کرو میری اس نعمت کو جو میں نے تم کو عطا کی تھی۔ میرے ساتھ جو تمہارا عہد تھا، اسے تم پورا کرو، تو میرا جو عہد تمہارے ساتھ تھا، اسے میں پورا کروں گا۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (المائدہ ۵: ۷)

اللہ نے تم کو جو نعمت دی ہے اُسے یاد رکھو اور اس پختہ عہد و پیمان کو بھی یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا ہے یعنی جب تم نے کہا کہ، ہم نے سنا اور مانا۔

قافلۂ راہِ حق میں شمولیت اسی عہد کو پورا کرنے کے لیے ہے، کلمۂ شہادت کی تجدید اسی عہد کی تجدید ہے۔ یہ تجدید ہی اس بات کی علامت ہے کہ بندے نے اللہ تعالیٰ اور اس

کے رسولؐ سے اپنا میثاق تازہ کرلیا ہے اور اپنا عہد پختہ کرلیا ہے۔ یہی ایمان کے معنیٰ ہیں۔ اس ایمان کے جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے اور جو اس کے پاس مقبول ہے۔ زبان سے عہد ہو اور عمل سے بے وفائی، تو یہ ایمان نہیں۔ چناں چہ دیکھیے ایک جگہ یوں فرمایا گیا:

بعض اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ اُن سے کہہ دو تم ایمان نہیں لائے، بلکہ اتنا کہو کہ ہم مسلمان ہوئے۔ ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے (الحجرات ۴۹: ۱۵)

پھر آگے فرمایا:

حقیقت میں مومن تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایسا ایمان لائے کہ پھر انہوں نے کوئی شک و تردّد نہ کیا، اور اپنی جان مار کر اور مال لگا کر اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ (الحجرات ۴۹: ۱۵)

"مومن وہ ہیں، جو ایمان لائیں" اس اسلوب بیان میں جو حقیقت پوشیدہ ہے وہ یہ کہہ کر کھول دی گئی ہے کہ جس ایمان میں شک اور تردّد کا شائبہ نہ ہو، اور نہ جان اور مال سے جہاد سے گریز ہو، وہی ایمان دراصل سچا ہے۔ ہر شخص جو اپنے اوپر مومن کا لیبل چسپاں کرلے، لازماً حقیقی معنوں میں مومن نہیں ہے۔

گویا ایمان نام ہے اپنے رب سے جڑ جانے کا، صرف اسی کا بن جانے کا، صرف اسی کا بن کر جینے کا اور صرف اسی کی خاطر مر مٹنے کا۔ یہ ایمان اپنا سب کچھ اپنے مالک کے حوالے کردینے کا نام ہے۔ اس عہد کو ایفا کرنے کا نام جہاد ہے، اور اس ایفائے عہد کا انعام جنت ہے۔ ان کے لیے جنت کی وہ نعمتیں ہیں، جنھیں نہ آنکھوں نے دیکھا، نہ کانوں نے سُنا، اور نہ دل کبھی ان کا تصور کرسکا۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ (التوبہ ۹: ۱۱۱)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اور ان کے مال جنت کے بدلے

خرید لیے ہیں۔ وہ اس کی راہ میں لڑتے ہیں' اور مرتے اور مارتے ہیں۔

ایمان کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت و مدد کے لیے اور اس کو غالب کرنے کے لیے کھڑے ہو جائیں۔ اس راہ میں کشمکش ناگزیر ہے۔ لڑنا اور مرنا' اسی کشمکش کے دو حصے ہیں۔ یہ ساری بات بالکل صاف اور واضح ہے خصوصاً غزوۂ تبوک کے حوالے سے سورہ توبہ کے اس سیاق میں تو بالکل عیاں ہے۔

اللہ کی زمین پر صرف اللہ کی حکمرانی قائم کرنے کے لیے' خدائی کے سارے جھوٹے دعوے داروں کو سرنگوں تو کرنا ہی ہوگا۔ یہی وہ دعوت ہے جو قرآن مجید میں ہر جگہ موجود ہے۔ اسی دعوت کے لیے قرآن اترا' رسولؐ آئے' امت مسلمہ برپا کی گئی۔ اسی کوشش کا نام جہاد ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ جہاد تو ایسا عمل ہے کہ کوئی اور عمل اس عمل کے برابر نہیں ہو سکتا' اور اس کا اجر تو اتنا عظیم ہے کہ اور کوئی اجر اتنا عظیم نہیں ہو سکتا۔

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُقِيمٌ ۝ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ (التوبہ ۹ : ۱۹-۲۲)

کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے بسانے کو' اس شخص کے کام کے برابر ٹھہرا لیا ہے جو ایمان لایا اللہ پر اور روز آخر پر اور جس نے جہاد کیا اللہ کی راہ میں؟ اللہ کے نزدیک تو یہ دونوں برابر نہیں ہیں' اور اللہ ظالموں کی رہنمائی نہیں کرتا۔ اللہ کے ہاں تو انھیں لوگوں کا درجہ بڑا ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اس کی راہ میں گھر بار چھوڑا اور جان و مال سے جہاد کیا' وہی کامیاب ہیں۔ ان کا رب انہیں اپنی رحمت' اور رضامندی اور ایسی جنتوں کی بشارت دیتا ہے جہاں ان کے لیے ہمیشہ کے عیش کے سامان ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یقیناً اللہ کے پاس خدمات کا صلہ دینے کو بہت کچھ ہے۔

ان آیات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حرم کو آباد رکھنے اور اس کی توقیر اور پاسبانی سے کہیں بڑھ کر، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا اور اس کی مدد اور توقیر اولیٰ اور افضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جہاد کرنے والوں کا درجہ ہی سب سے اونچا ہے، وہی کامیاب ہیں، انہیں کے لیے رب کی رحمت اور خوشنودی ہے، انھیں کے لیے جنتیں ہیں اور انھیں کے لیے ہمیشہ قائم رہنے والی نعمتیں ہیں۔

اسی جہاد کی دعوت پوری امت کو دی گئی ہے۔ اسی دعوت پر لبیک کہہ کر ہم سب جمع ہوئے ہیں۔

اس جگہ تُوَقِّرُوْهُ (اس کی توقیر کرو) کا فقرہ اور بھی بہت کچھ بتا رہا ہے جو قابلِ توجہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر سے مُراد یہ ہے کہ ایک مومن کا سارا وجود انؐ کی اطاعت، محبت، عزت اور ان کے ساتھ والہانہ شیفتگی سے عبارت ہو۔ یہی وہ توقیر ہے کہ جس پر امتِ مسلمہ کا نظامِ جماعت قائم ہوتا ہے۔ اس توقیر کے نتیجے میں وابستگی، استحکام، مضبوطی اور ربط کی وہ صفات و کیفیات پیدا ہوتی ہیں، جن سے ایک جماعت سیسہ پلائی ہوئی دیوار یا بنیانِ مرصوص بن جاتی ہے۔ اگر محبت اور توقیر کے جذبے کو نکال دیا جائے تو مسلمانوں کی جماعت ریت کی دیوار بن کر رہ جاتی ہے۔ ایفائے عہد کی راہ بنیانِ مرصوص کی صفات کی حامل جماعت کے بغیر طے نہیں ہو سکتی۔ اس طرح اللہ اور اس کے رسولؐ کی نصرت کے لیے جیسی جماعت کی ضرورت ہے، اس کے التزام کی دعوت اسی دعوتِ توقیر میں آگئی ـــــ دیکھیے فرمایا:

جب رسولؐ اس کام کی طرف بلائے جو تمہاری حیات کا ضامن ہے تو اللہ، اور اس کے رسولؐ کی پکار پر لبیک کہو۔ (الانفال ۸ : ۲۴)

کہیں ارشاد ہوا:

اپنے آپ کو رسولؐ سے آگے نہ بڑھانا.... اپنی آواز کو رسولؐ کی آواز کے مقابلے میں زیادہ بلند مت کرنا (الحجرات ۴۹ : ۱-۲)

کہیں اس طرح ہدایت دی گئی:

مومن تو اصل میں وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو دل سے مانیں، اور جب کسی اجتماعی کام کے لیے رسولؐ کے ساتھ ہوں تو جب تک اس سے اجازت نہ لے لیں اپنی جگہ سے نہ سرکیں... اپنے درمیان رسولؐ کو بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کو بلانے کی مانند نہ سمجھ بیٹھو... (ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا) جو ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہوئے آنکھ بچا کر چپکے سے سٹک جاتے ہیں کہ اللہ ان کو خوب جانتا ہے (النور ۲۴: ۶۲)

گویا کہ اللہ کے رسولؐ کی ہر بات پر لبیک کہنا ضروری ہے۔ سب سے بڑھ کر، ایمان و بندگی اور جماعت و جہاد کی پکار پر۔ رسولؐ کے نقوش قدم سے تجاوز ہرگز جائز نہیں۔ نہ اپنی رائے، اپنی پسند اور ناپسند، اور اپنے مقام کو رسولؐ سے مقدم یا اونچا کرنا روا ہے۔ ان ارشادات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام، ان کے مرتبہ، ان کے حقوق، اور ان کے ساتھ تعلق کی نوعیت کا واضح طور پر تعین ہو جاتا ہے۔ ان ارشادات سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ تعلق ہر زمانے میں مسلمانوں میں ہونا چاہیے۔ خصوصاً اس جماعت میں جو خدا کے دین کی نصرت کے عہد کو ایفا کرنے سے قائم ہوئی ہو۔ یہ تُوَقِّرُوْهُ کی تفسیر ہے

ان ارشادات سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ اگرچہ اب کوئی رسول نہیں ہو سکتا کہ کسی کو ان کا مرتبہ و مقام حاصل ہو، کسی کے وہ حقوق نہیں ہو سکتے جو ان کے تھے، لیکن جو اسی دعوت کے داعی ہوں کہ جس کے داعی وہ تھے اور ایسی جماعت کے قائد ہوں کہ جیسی جماعت ان کی تھی، وہ بھی ایک درجہ میں توقیر کے مستحق ہیں۔ اس توقیر کے بغیر کوئی جماعت جاندار نہیں ہو سکتی۔

## ہمہ دم دعوت

آگے ارشاد فرمایا:

وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۔

اور، لگے رہو صبح وشام اُسی کی تسبیح میں ۔

یعنی اللہ کی ۔ تسبیح کے معروف معنی تو اللہ تعالیٰ کی حمد، پاکی اور بڑائی بیان کرنا ہیں، لیکن قرآن کریم میں تسبیح کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے ۔اس کے اصل معنی کسی کام کو مسلسل، تیز رفتاری اور انہماک کے ساتھ کرنے کے ہیں ۔چنانچہ چاند سورج اور ستاروں کے بارے میں کہا گیا، کُلٌّ فِی فَلَکٍ یَّسۡبَحُوۡنَ (یٰسین ۳۶ : ۴۰)، سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں ۔

ایک اور جگہ نبی کریمؐ کو اس بات کی ہدایت کرنے کے بعد کہ آپؐ راتوں کو کھڑے ہو کر قرآن مجید کی تلاوت کریں، آپؐ کے دن کے اشغال کے بارے میں جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ سَبۡحًا طَوِیۡلًا کا لفظ ہے (المزمّل) ۔دن کی گھڑیوں میں آپؐ کس کام میں معروف رہتے تھے؟ یہ جان لیا جائے تو تسبیح کے ایک اور اہم معنی سامنے آجائیں گے ۔ دن بھر آپؐ ادائے فریضۂ رسالت اور دعوت الی الحق کے کام میں مشغول رہا کرتے تھے ۔ گویا دعوت کا کام بھی تسبیح ہے ۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام جب فرعون جیسے جابر فرماں رُوا کے دربار کی طرف اس غرض سے روانہ ہوئے کہ اسے اس کے رب کے آگے جھک جانے اور بنی اسرائیل کو غلامی سے نجات دینے کی دعوت پیش کریں، تو انھوں نے خود اپنے فریضے کو جن الفاظ سے تعبیر کیا وہ یہ تھے کہ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا وَّنَذۡكُرَكَ كَثِيرًا (طٰہٰ)، ہم کثرت سے تیری تسبیح کریں اور کثرت سے تیرا ذکر کریں ۔

اب غور کیجیے! یہاں صبح وشام تسبیح کرنے کے معنی کیا ہیں؟ سب سے پہلے تو اس سے نماز مراد ہوگی ۔اس لیے کہ جب حکم کا صیغہ ہو تو اس کی صبح وشام تعمیل نماز کی صورت ہی میں ہوتی ہے ۔لیکن کوئی وجہ نہیں کہ معنوں کو نماز تک محدود کر دیا جائے ۔نہ سیاق اس بات کا تقاضا کرتا ہے ۔صبح وشام کا اصل مفہوم تو تسلسل، دوام اور انہماک ہے ۔ مستقل مزاجی سے ہر وقت لگے رہو ۔اس دوام اور انہماک کے پیچھے لازماً جذبۂ شوق اور دل کی لگن ہوگی ۔

گویا اوّل تو شوق اور لگن کے ساتھ ہر وقت اللہ کا دھیان رکھو، اس کو یاد کرتے رہو، دِل

کو اس کا خیال لگا رہے، زبان اس کے ذکر سے تر رہے، اعضاء وہ کام کریں جو اس کو محبوب ہوں۔ ظاہر ہے کہ جس سے پوری زندگی کا عہد ہے اس کی اتنی یاد تو ہونا ہی چاہیے۔

اور ثانیاً اسی شوق اور جذبے کے ساتھ مسلسل اپنے عہد کو پورا کرنے میں لگے رہو۔ ایفائے عہد کی تڑپ سدابہار ہو، دعوت حق کا کام ہر آن ہو، صبح و شام ہو، مسلسل ہو۔ جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو رات اور دن پکارا، کھلے اور چھپے بلایا، اسی طرح ایفائے عہد کا سب سے بنیادی تقاضا یہ ہے کہ رات دن اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلانے کا کام جاری رہے۔

# عہدوفا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ

جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے تھے وہ دراصل اللہ کی بیعت کر رہے تھے۔

پوری سورۂ فتح واقعۂ حدیبیہ کے وقت نازل ہوئی۔ اس لیے ظاہر ہے کہ اس آیت میں جس بیعت کا ذکر ہے، سیاق نزول میں اس کا مطلب وہی بیعت ہے جو حُدیبیہ میں لی گئی۔ یہ بیعت رضوان کے نام سے معروف ہے، اس لیے کہ یہ بیعت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اسی سورۃ میں آگے چل کر اپنی رضا اور خوشنودی کی بشارت دی ہے (آیت ۱۸)

واقعہ مختصراً یوں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کی نیت سے مکہ تشریف لے جا رہے تھے۔ حدیبیہ تک پہنچے تھے کہ قریش نے راستہ روک لیا۔ یہ عرب کے ہزاروں برس کے مسلمہ قواعد و روایات کے خلاف تھا کہ کسی کو بیت اللہ کی زیارت سے روکا جائے۔ کفار قریش کی ساری اشتعال انگیزیوں کے باوجود حضورؐ نے صبر و ضبط کا دامن نہ چھوڑا، بات چیت شروع ہوئی۔ اس سلسلے میں حضرت عثمانؓ حضورؐ کے سفیر کی حیثیت سے مکہ تشریف لے گئے۔ وہاں قریش نے ان کو روک لیا۔ ادھر یہ خبر پھیل گئی کہ حضورؐ کے سفیر کو قتل کر ڈالا گیا یہ معمولی بات نہ تھی چناں چہ حضورؐ نے اپنے سارے ساتھیوں سے بیعت لی۔ انتہائی نامساعد

حالات میں یہ دراصل مر مٹنے کی بیعت تھی، پیٹھ نہ دکھانے کی بیعت تھی۔ بیع کے معنی فروخت کے ہیں، یہ اپنے کو فروخت کر دینے کی بیعت تھی۔ یہ پکا عہد کیا گیا تھا وفاداری کا، اور اگر وفاداری بشرطِ استواری ہی اصلِ ایمان ہوتی ہے تو یہ عہد تھا اہلِ ایمان کا اپنے ایمان کو وفا کرنے کا!

اسی لیے اس سے تو کسی کو انکار نہیں کہ یہاں سیاق میں بیعتِ رضوان مراد ہے۔ لیکن خاص کو عام کرنے کے معروف قاعدے کے مطابق، بہت سے مفسرین نے اس بیعت کو اس بیعت ایمان پر محمول کیا ہے جو ایمان لانے کے ساتھ ساتھ ہر مسلمان اپنے خدا اور رسولؐ کے ساتھ کرتا ہے، اور جس کا بیان اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ میں کیا گیا ہے۔ اس بات پر سب متفق ہیں کہ اس کے مفہوم میں یہ بیعتِ ایمان اور وہ عہدِ وفا شامل ہیں جو ایک بندۂ مومن اپنے رب اور اس کے رسولؐ سے کرتا ہے۔

رسولؐ کا مقام پھر واضح ہو گیا، اور ساری بحثوں کو لپیٹ کر رکھ دیا گیا۔ رسولؐ نہ خدا ہے، نہ خدا ہو سکتا ہے۔ لیکن خدا کا فرستادہ ہونے کی حیثیت سے اس کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے، اور اس کے ہاتھ پر بیعت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت ہے۔ عملی زندگی میں جب کہ اللہ تعالیٰ غیب میں ہے، اس کے علاوہ اور کوئی دوسری صورت ہو ہی نہیں سکتی۔

رسولؐ کا مقام ہی واضح نہیں ہوا، اس عہدِ وفا کی عظمت و اہمیت بھی متعین ہو گئی کہ جو اللہ تعالیٰ سے عہدِ تخلیق، عہدِ زندگی اور عہدِ ایمان کو ایفا کرنے کے لیے باندھا جاتا ہے۔ یہ بیعت کسی انسان سے نہیں ہے اور نہ کسی جماعت سے ہے، بلکہ یہ بیعت اور یہ عہد دراصل اپنے رب، اپنے مالک، اور اپنے آقا سے ہے۔ اس سے بڑھ کر اس عہدِ وفا کی عظمت، اس کی نزاکت، اور اس کی گراں باری کا بیان اور کس طرح ہو سکتا ہے۔

جو عہد اس ہستی سے باندھا جائے جس کی رحمتیں ہر دم شاملِ حال ہوں، جس کا دستِ ربوبیت ہر پہلو سے آگے بڑھا رہا ہو، جس کی عظمت و ہیبت کا کوئی ٹھکانا نہ ہو، جو حیّ و قیّوم ہو، جو ہر جگہ اور ہر لمحہ موجود ہو، جو ہر وقت ساتھ ہو، کیا اس عہد کو ایفا کرنے کا شوق اور اس بارے میں ذمہ داری کا احساس کسی لمحہ بھی ضائع ہو سکتا ہے، سست پڑ سکتا ہے یا پسِ پشت ڈالا جا سکتا ہے۔

# اللہ کا ہاتھ

لیکن اب ظاہر کی آنکھیں بند کر لیں، اور دل کی آنکھیں کھول کر دیکھیں:

یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ (اُن کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ تھا۔)

یہ بات کہ یہ بیعت اور یہ عہد دراصل اللہ تعالیٰ سے بیعت اور عہد ہے، مجسم ہو کر نگاہوں کے سامنے آگئی۔ خیال میں لائیے! یہ کیسی بیعت، کیسا معاہدہ اور کیسا عہد وفاداری ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرما دیا! حالاں کہ وہ تجسیم سے بالا ہے۔ اس بحث میں نہ پڑیے کہ اللہ کے ہاتھ سے کیا مراد ہے، بلکہ یہ دیکھیے کہ ہم سے اور آپ سے کیا کہا جا رہا ہے۔

اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے، اس کا ایک پیغام یہ ہوا کہ یہ اتنی اہم اور گراں بار ذمہ داری ہے کہ اگر اس کا صحیح احساس انسان کرے تو اس کا قلب پاش پاش ہو جائے۔ ایک پہلو سے دیکھیے تو اللہ کی کتاب ہی دراصل وہ امانت ہے جو ہمارے سپرد کی گئی ہے۔ اسی امانت کے تقاضے کو پورا کرنے کا عہد ہے جو ہم نے باندھا ہے۔ مگر یہ وہ امانت ہے جو اگر پہاڑوں پر اتاری جاتی تو وہ پاش پاش ہو جاتے۔ اب بیعت کی عظمت و رفعت اور مقام و وقعت کا صحیح احساس ہی اس راہِ وفا کے لیے سب سے قیمتی اور ضروری زادِ راہ ہے۔

اس یقین کے ساتھ عہدِ وفا باندھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہمارے ہاتھ کے اوپر ہے، دل کو کپکپا دینے والی کیفیت کے ساتھ ساتھ، اطمینان و سکون اور لذت کا بھی بہت بڑا خزانہ ہاتھ آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہمارے ہاتھ کے اوپر ہے۔ گویا جب ہم عہد وفا باندھ رہے ہیں اور عہد کو ایفا کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، تو اس کا ہاتھ ہمارا ہاتھ پکڑ کر ہماری دست گیری کے لیے موجود ہے، وہ ہمیں اپنی راہوں پر آگے بڑھانے کے لیے ہمارے ساتھ ہے۔ اس کی قوت ہماری پشت پناہ ہے۔

شہادتِ حق، دعوت الی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کا عہد وفا کرتے ہوئے، اس سے بڑھ کر طمانیت، لذت اور کیا ہو سکتی ہے کہ جس کا کام کر رہے ہیں وہ ہمراہ ہے، ساتھ ہے، ہمیں

اپنی نگاہوں کے سامنے رکھے ہوئے ہے، اس میں وفورِ شوق بھی ہے، آنکھوں کی ٹھنڈک بھی ہے اور دل کی حرارت اور گرمی بھی۔ اس میں عزم کی پختگی اور حوصلوں کی بلندی بھی ہے اور ولولوں اور آرزوؤں کی گرم جوشی بھی۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ ؑ اور حضرت ہارون ؑ کو فرعون کی جانب ایک انتہائی کٹھن اور خطرناک مشن پر بھیجا، تو ان الفاظ سے تسکین، سہارے اور لذت کا سامان کیا۔

قَالَ لَا تَخَافَا اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی۔ (طٰہٰ ۲۰: ۴۶)

فرمایا 'ڈرنا مت' میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، سب کچھ سُن رہا ہوں، سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔

یہی بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں فرمائی گئی:

وَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا (الطور ۵۲: ۴۸)

تم اپنے رب کا فیصلہ آنے تک صبر کرو، تم ہماری نگاہوں کے سامنے ہو۔

اور یہی بات ہم سے یوں کہی گئی، اور خاص طور پر ایمان اور انفاق کی دعوت کے سیاق میں کہی گئی، لوگوں کو انصاف پر قائم کرنے کے مشن اور لوہے کے اتارے جانے کے ذکر سے قبل کہی گئی، اور اس بات کے اعلان سے پہلے کہی گئی کہ وہ آزما کر دیکھے گا کہ کون اللہ اور اس کے رسول ؐ کی مدد کرتا ہے۔

وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ (الحدید ۵۷: ۴)

اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں (جس طرح کے حالات میں) بھی تم ہو۔

وہ ہمارا ساتھی ہے! ایسے آقا کی راہ میں چلنے، لٹنے، مٹنے کی لذت دوبالا کیوں نہ ہو جائے کہ جس کا ہاتھ ہمارے ہاتھ کے اوپر ہے، جس کی نگاہیں ہمیں داد دے رہی ہیں، ہماری کاوشوں کی ہمت افزائی کر رہی ہیں اور ہمارا حوصلہ بڑھا رہی ہیں۔

دل کی سچائی اور عہد کی پاس داری اور شرافت و جواں مردی کا تقاضا ہے کہ ہم اپنی جان، اپنا مال، اپنا وقت اور اپنی ساری صلاحیتیں اللہ تعالیٰ کی نذر کر دیں اور ایمان لانے کے بعد یہ ہماری رہیں کہاں؟ پھر جب تک جسم و جان کا یہ سودا نقد نہ چکا سکیں، اس وقت تک دل میں انتظار، شوق اور آرزو کی آگ سلگتی رہے کہ وہ لمحہ کب آئے گا جب ساری متاعِ ہستی نثارِ قدمِ یار

کر سکیں گے۔

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا۔ (الاحزاب ۳۳ : ۲۳)

ایمان والوں میں ایسے لوگ ہیں کہ جنہوں نے سچ کر دکھلایا جس بات کا عہد کیا تھا اللہ سے۔ پھر اُن میں کوئی تو اپنی نذر پوری کر چکا، اور ان میں کوئی وقت آنے کا منتظر ہے، انہوں نے اپنے رویّے میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

اب سوچیے! کتنی بڑی قساوتِ قلب موجود ہوگی اس شخص میں جو اپنے ایسے آقا سے بھی اپنا عہدِ وفا' ایفا نہ کرے' بلکہ الٹا عہد شکنی کی راہ پر نکل پڑے' اور اس کا وبال کیا ہونا چاہیے' اس کا خمیازہ کس کو اور کیا بھگتنا چاہیے؟

# عہد شکنی اور بے وفائی

چناں چہ ارشاد فرمایا اور متنبہ کیا :

فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِهٖ۔

اب جو شخص اس عہد کو توڑ دے تو اس کے عہد توڑنے کا وبال اسی پر پڑے گا۔

نقصان وہ کسی کا نہ کرے گا' نہ اللہ کا' نہ رسولؐ کا' نہ جماعت کا' بلکہ اپنا اور صرف اپنا۔ جو بُرائی بھی آدمی کماتا ہے اس کا بوجھ اپنے اوپر ہی لادتا ہے۔ جس نے اپنے عہد کو ایفا نہ کیا، نہ ایفائے عہد کا انتظار کیا' نہ اس کے لیے شوق رکھا' بلکہ کوئی اور ہی راہ اختیار کی' یا اس عہد پر کچھ دوسری ہی چیزوں کو ترجیح دینا شروع کر دیا' تو یہ ساری کمائی اس کے اپنے نقصان کی کمائی ہے۔ وَمَنْ یَّکْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا یَکْسِبُهٗ عَلٰی نَفْسِهٖ، (جو برائی کماتا ہے تو اس کی یہ کمائی اسی کے لیے وبال ہوگی) انسان محنت کرے اور اپنے گھاٹے کا سودا کرے، اس سے بڑھ کر بدقسمتی اور کیا ہو سکتی ہے؟

اس عہد شکنی کے نتائج دنیا میں ذلت' رسوائی' اور مغلوبیت ہیں' اور آخرت میں عذابِ شدید۔ دیکھیے اللہ تعالیٰ اس بارے میں کیا ارشاد فرماتا ہے :

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جو لوگ بے وفائی کرتے ہیں، اپنا عہد توڑتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو سخت کر دیتا ہے، پتھر کی طرح بنا دیتا ہے اور ان پر لعنت کرتا ہے۔ دلوں کی سختی اور لعنت، یہ دو سزائیں تو سر کی آنکھوں سے دیکھی جا سکتی ہیں۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً (المائدہ ۵ : ۱۳)

یہ ان کا اپنا عہد توڑ ڈالنا تھا جس کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دور پھینک دیا، اور ان کے دل سخت کر دیے۔

## لعنت کیوں؟

یہ سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی امانت، وحی اور کتاب کی امانت، بہت بڑی امانت ہے، عظیم ترین امانت ہے، اس کتاب کا حق ادا نہ کرنا، اس کو انسانوں تک نہ پہنچانا، اس کے مطابق انسانی زندگی کو ڈھالنے کی کوشش نہ کرنا، ایک بہت بڑی خیانت ہے اور ایک بدترین جرم ہے۔ اس کتاب کا حق ادا کرنا ہی اصل وفاداری ہے، سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔ یہ ذمہ داری سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا حق ہے جس نے یہ کتاب عطا فرمائی، یہ فرشتوں کا حق ہے کہ وہ یہ ہدایت لے کر آئے، یہ رسولوں کا حق ہے کہ انہوں نے دعوت حق پہنچائی اور یہ ان سارے انسانوں کا حق ہے جو دنیا اور آخرت کے خسران کا شکار ہونے والے ہیں اور آگ میں گرنے والے ہیں، صرف کتاب اللہ کی امانت کے پاسبانوں کی بے وفائی اور کوتاہی کی وجہ سے۔

یہ بے وفائی، عہد شکنی، کوتاہی، جس سے ہر حق والے کے حق کی خلاف ورزی ہوتی ہے، کتاب اللہ کے حاملین کو لعنت کا مستحق بناتی ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۔ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (البقرہ ۲ : ۱۵۹-۱۶۱)

جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایات کو چھپاتے ہیں، درآں حالے کہ ہم نے انہیں سب انسانوں کی رہنمائی کے لیے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے، یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرتا ہے، اور تمام لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ البتہ جو اِس روش سے باز آجائیں، اور اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کرلیں، اور جو کچھ چھپاتے تھے بیان کرنے لگیں، اُن کو میں معاف کر دوں گا اور میں بڑا درگزر کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوں۔ جن لوگوں نے کفر کا رویّہ اختیار کیا، اور کفر کی حالت میں ہی جان دی، ان پر اللہ اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔

# لعنت کیا ہے؟

ہماری ساری زندگی رحمتِ الٰہی کی محتاج ہے، اور جب رحمت ہٹالی جائے تو ہم کیا باقی رہ جاتا ہے؟ ذلت اور مسکنت ہو، افتراق اور انتشار ہو، باہمی خوں ریزی اور فساد ہو، بغض اور عداوت ہو، اخلاقی زوال اور ظلم ہو، غیر قوموں کا تسلط اور ان کی غلامی ہو، ان کی طرف سے آبادیوں کا تاخت و تاراج ہو، یہ سب لعنت ہی کے مظاہر تو ہیں۔

# اور قساوتِ قلوب؟

اس سے بڑھ کر دل کی سختی اور کیا ہوگی کہ لاکھوں وعظ کیے جاتے ہیں اور بے اثر رہتے ہیں، قرآن کی تلاوت کثرت سے ہوتی ہے اور صبح و شام اس کا درس ہوتا ہے مگر نہ دل پگھلتے ہیں، نہ آنکھیں نم ہوتی ہیں، نہ عملی حالت میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ سحر طراز ادیب، شیریں بیان واعظ، عابد و زاہد صوفی اور جلیل القدر علما سب ہی بے اثر ہو کر رہ گئے ہیں۔ پتھروں میں بھی کوئی ایسا ہوتا ہے جس میں سے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں، کوئی ایسا کہ پھٹتا ہے تو اس میں سے پانی نکل آتا ہے، اور کوئی ایسا کہ خدا کے خوف سے لرز کر گر پڑتا ہے۔ لیکن جب انسانوں کے دل سخت ہوتے ہیں تو وہ پتھروں سے بھی گئے گزرے ہو جاتے ہیں ـــــ نہ نرم پڑتے ہیں، نہ جھکتے ہیں۔

## بے وفائی

عہد شکنی اور بے وفائی، ہرجائی پن اور غیروں سے آشنائی، عہد وفا سے روگردانی — بس یہی جڑ ہے ہر چیز کی۔ ہر مصیبت سزا ہے اسی جرم کی۔ پوری امت اس سزا میں شریک ہے۔ پھر اگر چند مخصوص افراد اور کوئی مخصوص جماعت ایفائے عہد کا عزم کرنے کے باوجود عہد وفا کو پس پشت ڈالنا شروع کر دے تو کیا وہ اپنے گناہ کا خمیازہ بھگتنے سے بچ سکتی ہے؟ آج اپنے ہاں درس و تقریر اور وعظ و نصیحت کی فراوانی دیکھیے، اور اثر پزیری و عمل کی کم یابی پر نگاہ ڈالیے! آخر ایسا کیوں ہے؟

## بے وفائی کا اصل سبب

یہ اپنے عہدِ وفا سے لاپروائی اور تغافل کا معاملہ، یہ بے وفائی اور عہد شکنی، یہ سب ہم کیوں کرتے ہیں؟ ایفائے عہد کا وزن ترجیحات کی میزان میں کیوں کم ہوتا چلا جاتا ہے؟ اس کی وجوہ بہت ساری ہیں۔ لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ صورت حال اس وقت پیدا ہونا شروع ہوتی ہے جب ہماری نگاہیں اصل نصب العین سے ہٹنا شروع ہو جائیں اور دوسرے مقاصد ہماری توجہات کا مرکز و محور بنتے چلے جائیں۔

ان دوسرے مقاصد میں سب سے بڑی چیز متاعِ دنیا ہے، حیاتِ دنیا کا ساز و سامان ہے۔ جو یکسوئی کے ساتھ آخرت کا نہ ہو جائے وہ راہِ وفا ہرگز طے نہیں کر سکتا۔ دورِ صحابہؓ میں جب بھی راہِ وفا میں لغزشیں ہوئیں تو قرآن مجید نے اسی مرض کی نشان دہی کی جب ہدایت کی تو آخرت کے لیے یکسو ہو کر عزم و ارادہ اور سعی و جہد کی ہدایت کی۔ ٹوکا اور روکا تو نگاہوں کے بھٹکنے سے روکا کہ دنیا کو مقصودِ نظر نہ بنائیں۔ فرمایا:

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِۦٓ أَزْوَٰجًا مِّنْهُمْ (الحجر ۱۵:۸۸)

تم اس متاعِ دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھو جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہے۔

جب نگاہ بہک کر متاعِ دنیا میں اٹک جاتی ہے تو دل پھسلتا ہے، جب دل پھسلتا ہے تو وفا کہاں ٹھہرے اور کیسے ٹھہرے۔ پھر صراطِ مستقیم چھوٹ جاتی ہے اور راہِ وفا کھوٹی ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس آیت کی تفسیر معلوم کرنا ہو تو سر کی آنکھوں سے دیکھیے، اپنے چاروں طرف دیکھیے، اپنا معاشرہ دیکھیے اور سب سے بڑھ کر خود اپنے آپ کو دیکھیے۔

## اس کا علاج کیا ہے؟

اس اجر پر یقین کہ جو غیب میں عہدِ وفا کو ایفا کرنے والے کے لیے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ نگاہیں اُسی پر جمی رہیں، دل اسی کی طلب میں مضطرب اور بے چین رہیں۔

# اجرِ وفا

فرمایا ـــــ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا۔
اور جو اس عہد کو ایفا کرے گا جو اس نے اللہ سے کیا ہے، تو اللہ جلد بڑا اجر عطا فرمائے گا۔

## یہ اجرِ عظیم کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف اجرِ عظیم کہنا ہی کافی ہے۔ جو اللہ کے پاس ہے وہی سب سے بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے۔ لیکن جو اجرِ عظیم ایفائے عہد کے بعد اس سے ملاقات کے وقت ملنے والا ہے، اس کی تفصیلات کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے خود بیان کیا ہے، اس کے پیشِ نظر لذتِ بیان کی خاطر ہی کچھ کہنے کو دل چاہتا ہے۔ اس وقت موقع کہاں، بس چند باتیں ہی کہی جا سکتی ہیں۔

سب سے بڑھ کر اس کی رضا اور توجہ ہے۔ وہاں وہ سب کچھ ہے، جس کو آپ کا دل چاہے۔ لَهُمْ مَّا يَشَاءُونَ فِيهَا۔ اور اس سے زائد بھی بہت کچھ، خاص اس کی طرف سے جس کی قدرت و عطا بے حد و حساب ہے۔ وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ (قٓ)

اس کا یہ وعدہ تو ازل سے چلا آ رہا ہے، ابد تک رہے گا۔ پس خوشیاں منائیں جو عہدِ وفا، ایفا کریں۔

وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (التوبہ ۹ : ۱۱۱)

ان سے (جنت کا وعدہ) اللہ کے ذمہ ایک پختہ وعدہ ہے، تورات ، انجیل اور قرآن میں۔ اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہو؟ پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے خدا سے چکالیا ہے۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

اتنے عظیم اجر کے وعدے کے بعد بھی اگر قدم راہِ وفا سے بھٹک جائیں، اور نگاہیں بہک کر دنیا میں اٹک جائیں، تو وا حسرتا کے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے۔

لیکن یہ اجر عظیم کا وعدہ صرف آخرت میں ہی نہیں ہے، دنیا میں بھی نصرت اور فتح کی بشارت ہے۔

وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ (الصف ۶۱ : ۱۳)

اور وہ دوسری چیز جو تمہیں محبوب ہے، وہ بھی تمہیں دے گا، اللہ کی طرف سے نصرت اور جلد ہی حاصل ہونے والی فتح۔

خلافت کا وعدہ ہے، دین کے غلبہ کا وعدہ ہے، امن و سلامتی کا وعدہ ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (النور ۲۴ : ۵۵)

اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے اُن لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے، ان کے لیے ان کے دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرے گا جسے اس نے ان کے حق میں پسند کیا، اور ان کی حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا۔

زمین میں علو و غلبہ کا وعدہ ہے۔

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. (آل عمران ۳ : ۱۳۹)

تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔

ساری برکتوں کے زمین سے اُبلنے اور آسمانوں سے برسنے کا وعدہ ہے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ . (الاعراف ۷:۹۶)

اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔

سب سے بڑھ کر یہ وعدہ کہ تمہیں خدا کا ساتھ نصیب ہوگا۔

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِىْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ (المائدہ ۵:۱۲)

اور اللہ نے فرمایا میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نماز قائم کرتے رہے اور زکوٰۃ دیتے رہے اور میرے رسولوں کو مانا، اور ان کی مدد کی۔

اور اس سے بڑھ کر بشارت ایک مردِ مومن کے لیے اور کیا ہوسکتی ہے کہ جب وہ اس دنیا میں اپنے رب کی راہ میں جہاد کر رہا ہے، اس کا کلمہ بلند کر رہا ہے، گرد و پیش کے لوگوں کو پکار رہا ہے تو ایسے عالم میں ہر آن اور ہر گام اس کا رب اس کا رفیق ہے۔

ان سارے وعدوں کا جامع وعدہ یہ ہے کہ تم نے ایفائے عہد کیا تو میں بھی اپنا ہر عہد ایفا کروں گا۔

اَوْفُوْا بِعَهْدِىْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ (البقرہ ۲:۴۰)

تم مجھ سے عہد وفا کرو، میں تم سے عہد وفا کروں گا ـــــ!

# حرفِ آخر

قرآن مجید کے اس مختصر سے حصے میں ہمارا ہی ذکر ہے، ہمارا ہی بیان ہے، ہم ہی مخاطب ہیں۔ اس لیے کہ ہمارا قافلہ وہ ہے کہ جس کا وجود احساس عہد وفا ہی کا نتیجہ ہے، جس کا مقصود ایفائے عہد ہی ہے، جس نے وفاداری بشرطِ استواری ہی کو ایمان کا حاصل سمجھا اور مانا ہے۔

ہم نے اپنا سفر اس عزم کے ساتھ شروع کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ہر بندے تک، ایک ایک عورت مرد اور بچے تک، اللہ تعالیٰ کی بندگی کا پیغام پہنچا دیں گے، ان کو نفاق و تناقض اور بے وفائی اور نقض میثاق کی دلدل سے نکالنے کی جدوجہد کریں گے، ان کو حق کا گواہ بنا کر کھڑا کریں گے، اور اس راہ میں اپنا مال، اپنی جان، اپنا وقت، سب لگا دیں گے، کھپا دیں گے، یہاں تک کہ زندگی کا ایک ہی قبلہ رہ جائے گا، زندگی کا ایک ہی مقصود ہو گا، اور ہر دلچسپی پر ایک ہی دلچسپی غالب ہو گی۔ اس چیز کو ہم نے اپنے ہاں کا عہد اور دلوں پر ان الفاظ میں رقم کر رکھا ہے۔

> ہم اپنی دوڑ دھوپ اور سعی و جہد کو اقامتِ دین کے نصب العین پر مرکوز کر دیں گے اور اپنی حقیقی ضرورتوں کے علاوہ ان تمام دلچسپیوں سے دست کش ہو جائیں گے جو اس نصب العین کی طرف نہ لے جاتی ہوں۔

یہ وہ منزل ہے جس پر ہمارا عہد پورا ہو جائے گا۔ خواہ راہِ وفا پر ہمارا قدم پہلا قدم ہو یا آخری، خواہ دنیا میں ہماری آنکھیں فتح کے نظارے سے ٹھنڈی ہوں یا نہ ہوں، جب تک ایفائے عہد کی منزل سر نہ ہو گی اللہ تعالیٰ کی نصرت ہمارے ساتھ نہ ہو گی۔

یہ میزان آپ کے ہاتھ میں ہے، اس پر اپنے کو تول لیجیے۔ دنیا میں نتائج مطلوب نہ پانے اور نہ ملنے کے جتنے سوالات ہیں ان کا جواب بھی اِسی میزان سے حاصل کر لیجیے۔ آخرت میں جو کچھ آنے والا ہے وہ بھی یہی میزان آپ کو بتا دے گی۔

انابت و رجوع کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے۔